۱۲

اسلامی شریعت کا نفاذ

اور

تجدید و اجتہاد کے معنی

از

ڈاکٹر صلاح الدین ندوی، الازہر یونیورسٹی مصر

وقت حاضر میں اسلامی شریعت کی تنفیذ کی ضرورت اور اس کی اہمیت پر نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ عرض کریں گے کہ بے شک اسلامی شریعت کا نفاذ عصر حاضر کے فرزندان ملت کی ایک امید اور امت توحید کا ایک خواب ہے، مگر اسلامک کانفرنس آرگنائزیشن سے متعلق چند اسلامی ممالک ایسے ہیں جہاں کے تجدد پسندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ "اسلامی شریعت کا نفاذ ہر زمان و مکان کے لیے غیر نافع اور ناممکن ہے[1]" ان کا یہ مطالبہ ہے کہ اسلامی قوانین اور شرعی احکام کو عصر حاضر کے وضعی قوانین کے دوش بدوش چلنا چاہیے، اسلامی شریعت میں اصلاح کرنی چاہیے، اور عصر حاضر کی تہذیب و تمدن سے استفادہ کرنا چاہیے، کیونکہ امت اسلامیہ تہذیب نو کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے پسماندہ رہ گئی ہے، اور تہذیب و تمدن کا زمانہ اسے پس انداز کر کے بہت آگے نکل گیا۔

یہ درست ہے کہ اصلاح و تجدید کی ضرورت اسی وقت سامنے آتی ہے جب دینی اور عقلی مسائل باہدگر نبرد آزما ہوں، یا دین اور انسانی تہذیب و تمدن میں باہم تضاد و تعارض ہو یا دین ضروریات زندگی کی تکمیل سے قاصر ہو، مگر افسوس کہ تجدد کے علمبرداروں کو قطعاً اس کا علم نہیں کہ آج کی تہذیب نو کی بنیاد جس سائنسی فضا

[1] اسی بات پر ابھی حال ہی میں سوڈان میں تجدد پسندوں کے ایک ملحد رہنما کو سزائے موت دی گئی ہے۔

سائنٹفک نظام ہے، وہ دراصل اسلامی نصاب ہے، اور یورپی تہذیب و تمدن کی نشوونما سے بہت پہلے مسلمان اس نصاب پر گامزن اور کاربند رہے ہیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی چھ صدیاں علوم و فنون اور تہذیب و تمدن میں تاریخ انسانی کے روشن ابواب ہیں، لیکن یہی زمانہ فرنگ میں مغربی تہذیب و تمدن کے جمود و زوال کا دور ہے، اور اس دور کو اہل فرنگ "ازمنہ مظلمہ" یعنی تاریکی کا دور کہتے ہیں، عیسائیت کے غلبہ کے بعد یونانی اور رومی تہذیب اس کی شان و شوکت نحوست و ادبار میں بدل گئی، کلیسا کے استبداد نے تحقیق اور آزادیٔ فکر کا دروازہ بند کر دیا، پھر علوم و فنون کے خاتمے کے بعد یورپ کے تمام ملوک اپنی باقی ماندہ قوت کو جمع کر کے فلسطین میں ایک مسلمان مجاہد سلطان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے، مغربی فرنگ میں اندلس پر مسلمان قابض ہو گئے، جہاں انھوں نے ایک عظیم الشان تہذیب و تمدن کو جنم دیا جو تمام فرنگ کیلیے قابل رشک تھا، اور علوم و فنون کے فرنگی شائقین یہیں سے کسب فیض کرتے تھے، اور سترہویں صدی تک یورپ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بے بس پاتا تھا، پھر ترکوں کی فوجی طاقت ابھی زوال پذیر نہیں ہوئی تھی کہ مغرب میں بیداری شروع ہوئی، مغرب کی اسی بیداری کو نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں، عصر حاضر میں مغرب کے بعض مورخین نے فراخدلی اور آزادانہ تحقیق سے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ فرنگ کی نشاۃ ثانیہ میں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا ایک موثر حصہ ہے، سارٹون نے جو سائنس کی مبسوط تاریخ لکھی ہے اس میں ریاضیات اور تجربی سائنس میں مسلمانوں کے کارناموں کی اچھی طرح داد دی ہے۔[1]

اور یہی نہیں بلکہ اہل مغرب نے بذات خود اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے ہی عمل اور تجربہ کا نصاب وضع کیا ہے، انھوں نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ یورپ کے نصاب عمل و تجربہ کے بانیٔ اول روجر بیکن[2] نے زیادہ نصاب عربوں سے اخذ کیا ہے، یورپ کے ایک مشہور سائنسدان (بریفولٹ) نے اپنی کتاب

---

[1] مزید تفصیل کیلیے ملاحظہ ہو "فکر اقبال" از خلیفہ ڈاکٹر عبدالحکیم ص ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸ [2] روجر باکن (۱۲۱۴–۱۲۹۲)
(بقیہ ص ۴۳ پر)

"انسانیت کی بنیاد" میں یہ تحریر کیا ہے کہ روجر بیکن اور اس کے بعد آنے والے سائنسدان (فرانسیس بیکن[1] نے
اس علمی میدان میں جو کچھ کیا ہے وہ نامور عرب شخصیتوں کے علمی کارناموں اور ان کے علمی نتائج کے فیضان سے
کیا ہے، اس لیے وہ دونوں اس بات کے مستحق نہیں کہ نصاب عمل و تجربہ کا سہرا ان کے سر پہ باندھا جائے
اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ سائنس ہی کی بدولت یورپ کی نشأۃ ثانیہ ہوئی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ
اسلامی تہذیب و تمدن کے روشن نقوش و اثرات سے بلاد یورپ میں زندگی کی لہریں دوڑ گئیں۔

یورپی تہذیب و تمدن ہی جن کا موضوع سخن رہا ہے ان میں بیشتر مورخین کا یہی خیال ہے
روجر بیکن کی کتاب "حرارت اور روشنی" بعینہ الحسن بن الہیثم[2] کی اس کتاب کا ہی ایک نسخہ یا کاپی
جو "بصریات" کے عنوان پر مشتمل ہے، اور سبھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ جس طرح طبی علوم میں رازی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ... قرونِ وسطیٰ کا مشہور سائنسدان سمجھا جاتا ہے۔ اس نے پیرس اور آکسفورڈ میں فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور علوم و فلسفہ کے کچھ اصول وضع کیے تھے۔ [1] فرانسیس بیکن (۱۵۶۱–۱۶۲۶) انگریز فلسفی تھا جو لندن میں پیدا ہوا تھا، اور عملی طور پر فلسفہ اور سائنس کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے کوشاں رہا تھا۔ [2] ابوعلی الحسن بن ہانی بن الہیثم (تقریباً ۹۶۵–۱۰۳۹) فلکیات و ریاضیات و طبیعیات کے ایک مشہور عرب عالم تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ (منصور بن العزیز) کے زمانہ میں قاہرہ آئے۔ انھوں نے اپنی کتاب "علم المناظر" کا ترجمہ "بصریات" کے عنوان سے لاطینی زبان میں کیا تھا، وہ کتاب ۱۲ویں صدی تک یورپ کے علمی حلقوں میں بیحد مقبولیت اور اہمیت رکھتی تھی۔ [3] ابوبکر محمد بن زکریا الرازی (۸۶۴–۹۳۲) ایک مشہور عرب طبیب تھے، رَی میں پیدا ہوئے تھے، حکیم جالینوس کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، انھوں نے رَی اور بغداد میں "بیمارستان" کے نام سے شفاخانہ قائم کیا تھا، ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں برء الساعۃ، الحاوی، الجدری والحصبۃ قابل ذکر ہیں، اور خاص طور سے آخر الذکر طب کی قدیم کتابوں میں سب سے عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔

ر ابن سینا کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح کیمیا سے متعلقہ علوم میں جابر بن حیان اور ریاضیات کے یدان میں ابو یعقوب کندی کے علمی کارناموں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا، اہل یورپ صراحت کے ساتھ تراف کرتے ہیں کہ بلاد یورپ پر ان نامور عرب شخصیات کا احسان عظیم ہے جن سے اہل یورپ اب تک علمی ر عملی تجربات کے میدان میں فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مگر اس کے باوجود احساس کمتری میں مبتلا مغربی تہذیب تمدن کے متوالے اپنی ہستی و وجود کی حقیقتوں سے ناآشنا ہو کر اسلامی شریعت کی تجدید اور مغربی تہذیب و تمدن سے استفادہ کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، در اس طرح کی آواز اٹھا رہے ہیں کہ اسلامی شریعت کے احکام افیون اور نشہ آور دواؤں سے کم نہیں، انھوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ علمائے دین کو بھی برا بھلا کہا اور ان کی توہین و مذمت میں کچھ اس طرح کے الفاظ استعمال کیے کہ یہ علمائے دین ایسے حکما و اطبا ہیں جو قوم کو نشہ، بیہوشی اور خواب آور دوائیں دیتے ہیں جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے، اس طرح کی آواز اٹھانے والے بذات خود تہذیب نو کی مسکن دواؤں سے متاثر ہو کر بے خبری اور خود فراموشی کا شکار ہو گئے ہیں، بھلا وہ قوم کو اپنی اس طرح کی آواز سے کب بیدار کر سکتے ہیں ع

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جو لوگ بھی اس طرح کی آواز اٹھا رہے ہیں، وہ بالقصد اسلامی اصول و مبادی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ شرعی احکام و فقہ اسلامی کے موضوعات کو خلط مبحث کر کے پیش کر رہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تجدد کے پس پردہ وہ اپنی خواہشات کے اشاروں پر اسلامی قوانین کی پیروی سے رستگاری حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس اندیشہ کا اظہار علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں ایک مقام پر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ[1]

[1] ضرب کلیم ص ۱۷، کلیات اقبال ص ۴۸۰، کتب خانہ حمیدیہ حویلی اعظم خان، جتلی قبر، دہلی، طبع ۱۹۸۱ء۔

جو لوگ تجدید و اجتہاد کا نعرہ لگا رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تجدید و اجتہاد کے نام پر ہی مغربی تہذیب و تمدن سے متعلقہ وضعی قوانین و افکار (جنھیں وہ لوگ ترقی یافتہ یا ترقی کے لیے مفید سمجھتے ہیں) شرعی احکام میں داخل کرکے تحریف و تبدیلی کی جا سکتی ہے، ان کا خیال ہے کہ عصر حاضر میں قوموں کی گوناگوں ضروریات کی تکمیل کے لیے انسانی عقل و دماغ نے جو افکار و نظریات وضع کیے ہیں انھیں شرعی احکام میں داخل کرکے اسلامی اصول و مبادی کو ترقی پذیر بنایا جا سکتا ہے، انھیں اب صرف مغربی افکار و نظریات پر ہی انسانی زندگی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا انحصار نظر آتا ہے جو قطعاً درست نہیں۔

بیشک قرآن کریم کا نزول عقل انسانی کی ہدایت کے لیے ہوا ہے خصوصاً ان امور میں جن میں عقل کو اگر مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو بلاشبہ گمراہ ہو جائے گی، ان ہی امور میں عقیدہ، اخلاقی اصول و مبادی، شرعی احکام اور اجتماعی نظام سے متعلقہ موضوعات بھی شامل ہیں، دین نے مادی امور میں عقل کو آزادی دی ہے بشرطیکہ غور و فکر کا مقصد انسانی فلاح و بہبود ہی ہو، اور اسی وجہ سے اسلاف نے یہ سبق دیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی قدرت و جبروت اور کائنات کے ذرے ذرے میں اس کے جلال و جمال اور دیگر اوصاف کمالیہ اور اس کی عظمت و شان کے مظاہر کا انکشاف کرنے کا ہی نام مادی علوم ہے، اس طرح مادی علوم کے ذریعہ کائنات میں غور و فکر کرنا بھی ایک عبادت ہے، جو لوگ قرآنی نصوص و آیات اور عقل میں بظاہر تضاد محسوس کرتے ہیں انھیں چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو خواہشات سے دور رکھ کر غور و فکر کریں تاکہ انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ صرف عقل ہی کو دینی امور میں حکم نہیں بنایا جا سکتا بلکہ دینی امور کے سہارے ہی انسانی عقل و دماغ کو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے، اور عقل انسانی کو دین اسلامی سے جو ہدایت نصیب ہو رہی ہے یہ بشریت کو ہمیشہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ میسر رہے گی، بشرطیکہ نسل انسانی دینی امور کو طاق پر رکھ کر اپنی عقل کو خواہشات نفسانی کی تکمیل اور ذاتی اغراض و مقاصد کی دستیابی کے لیے استعمال نہ کرے۔

اپنی عقل پر نازاں و از خود فریفتہ حضرات نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے سلف صالحینؒ

بھی زبان درازی کی، اور انھیں برملا برا بھلا کہا، جنھوں نے ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ جو کچھ سنا یا پڑھا، اور اپنی کاوشوں سے جو کچھ استنباط کیا اسے دوسروں تک پہونچا دیا، اس طرح اسلاف نے اسلامی شریعت کی بنیادوں کی حفاظت کی اور انھیں مستحکم و مضبوط بنا کر تحریف و آمیزش سے محفوظ رکھا شریعت کی بنیاد قرآن مجید ہے جو جذبۂ ایمانی سے معمور قلوب میں صدیوں سے محفوظ ہے، شریعت کی بنیاد احادیث نبویہ ہیں، جو انتہائی محتاط کاوشوں سے صحیح اسناد پر اعتماد کر کے کتابوں کی شکل میں محفوظ کر لی گئی ہیں، جو صرف امت محمدیہ کی خصوصیت ہیں، ہاں اگر ان اسناد کا وجود نہ ہوتا تو پھر منکرین حدیث یا دہریت پسند کچھ کہہ سکتے تھے، اسلامی شریعت اپنی انھی بنیادوں پر ایک کامل اور مکمل نظام حیات ہے، جو ہر فرد بشر، ہر جماعت اور ہر ملک کے لیے مفید ہے، اور ہر زمانے میں انسانیت کے لیے سودمند رہیگا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ تجدد کے علمبردار حضرات اپنے اجتہاد کے ذریعہ اسلامی شریعت میں ترمیم و تبدیلی کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کریم ہم سب کی کتاب ہے، قرآنی آیات کو سمجھنے میں ہم بھی اپنی عقل کو استعمال کر سکتے ہیں، ہماری عقل بھی قرآنی آیات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتی ہے، فہم و ادراک کی استطاعت کے مطابق ہم بھی احکام کا استنباط یا استخراج کر سکتے ہیں، اسلاف ہمارے لیے حجت اور دلیل نہیں، ہم اسلاف کے دائرۂ معلومات سے مقید و مربوط نہیں رہ سکتے، ہم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے اصلاح و تجدید کی آواز اٹھائی تھی، مصر میں شیخ محمد عبدہ، افغانستان میں شیخ جمال الدین افغانی اور ہندوستان میں علامہ اقبال وغیرہ نے بھی مختلف مقالات اور ادوار میں اصلاح و تجدید کی دعوت دی تھی۔

اس میں دو رائے نہیں کہ عصر حاضر کی مادی تہذیب و تمدن کی بنیاد جن افکار و نظریات یا آئیڈیالوجی پر ہے ان میں جدید ترین، ترقی پذیر سائنسی ایجادات کے زیر اثر تغیرات رونما ہو سکتے ہیں، اور انھی تغیرات کی روشنی میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب صنعتی ترقی اور انقلاب کا دور دورہ ہوا تو اسلامی مصلحین و مفکرین بھی الجھن میں پڑ گئے، کیونکہ یورپی مفکرین نے جو

ہرے[1] باغ دکھلائے تھے مسلم نوجوانوں کا طبقہ بھی تیزی کے ساتھ ان کی طرف بھاگنے لگا تھا، اور یورپ
یونیورسٹیوں میں وہ گرٹیس، والٹیر، روسو، ہیوم اور کانٹ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر کفر و الحاد کا سبق سیکھ
لگا تھا، بہرحال اسلامی مصلحین و مفکرین نے اپنی میراث سمجھ کر دینی اصول و عقائد کی حفاظت کی، مگر چند مصلح
و مفکرین ایسے بھی تھے جن کے ذہن میں یہ خلش باقی رہی کہ دینی عقائد اور زندگی کے جدید ترین عروج
نظریات میں کس طرح ہم آہنگی پیدا کی جائے، کچھ مفکرین نے یہ کہا کہ اس وقت دینی مسائل اور احکام کی از سر
تشکیل قرآن و حدیث کی روشنی میں ضروری ہے، تاکہ دینی اصول و عقائد کو فکر انسانی کی ترقی پذیر
زمانے کی علمی اور نظری تیز رفتاری کے دوش بدوش اور رواں دواں رکھا جاسکے، چنانچہ دونوں کو ہم آہنگ
کرنے کے لیے مصلحین کی جو کوششیں سامنے آئیں ان کا مقصد یہی تھا کہ اسلامی شریعت کی حفاظت کے
دینی امور کی عقلی توجیہات کی جائیں اور بظاہر اسلام اور انسانی تہذیب و تمدن میں جو تعارض یا تضا
نظر آتا ہے اس میں تطبیق کی صورتیں پیدا کی جائیں، تجدید کے علمبردار حضرات یہ بھول گئے ہیں کہ شیخ
جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال جیسے دیگر مصلحین و مفکرین نے جو اصلاح و تجدید کی دعوت دی
اس کا اولین مقصد یہی تھا کہ اسلامی شریعت کی حفاظت کے لیے اسلامی معاشرہ میں عزم و ولولہ
کیا جائے، تاکہ اسی طور طریقے پر شریعت کی بنیادوں کو قوی اور مستحکم کیا جاسکے جس پر اسلاف نے اس
قوی و مستحکم رکھا تھا۔

تجدید کے علمبرداروں کا یہ کہنا ہے کہ تجدید و اجتہاد کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے، اگر

---

[1] "ہرے باغ" کا اشارہ اس طرف ہے کہ یورپی مفکرین نے اٹھارہویں صدی میں جسے انلائٹنمنٹ یا دور تنویر کہا
مذہب، فلسفہ، سیاست اور معیشت کے اہم مسائل آزادانہ طور پر حل کرنے کی کوششیں کی تھیں،
ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کے بنیادی حقوق کسی قدر وضاحت سے متعین ہو گئے، (مزید تفصیل کے
ملاحظہ ہو "فکر اقبال" از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

ذریعہ شرعی احکام میں تجدید و ترمیم کی جاسکتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے، یا اب کوئی بھی دینی امور میں اجتہاد نہیں کرسکتا، بشرطیکہ وہ ان شرائط پر مکمل اترے، جن پر علمائے دین کا اتفاق ہے، مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رض کو جب یمن میں داعی اور قاضی بنا کر بھیجنے کیلئے منتخب کیا تھا تو آپ نے ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ

كيف تقضي اذا عرض لك قضاء ؟ فاجابه اقضي بكتاب الله، فسأله الرسول قائلا: فان لم تجد ؟ قال فبسنة رسول الله، قال الرسول فان لم تجد ؟ قال اجتهد برأيي و لا آلو، فضرب الرسول صلى الله عليه وسلم صدره وقال الحمد لله الذي وفق رسول رسول الله الى ما يرضي الله ورسوله۔	اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ رکھا جائے تو تم کیسے فیصلہ کروگے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت کیا کہ اگر تم کو (اس میں حکم) نہ ملے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ پھر میں رسول اللہ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو (اس میں بھی کوئی حکم) نہ ملے تو ؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں اجتہاد کرونگا اور (مسئلہ کو سمجھنے میں) کوتاہی نہیں کروں گا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر تھپکی دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے ایلچی کو خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق دی۔

(رواہ ابو داؤد والترمذی)

اور مسلم سے روایت ہے کہ:

انه علیه الصلوٰۃ والسلام قال لعبد اللہ بن مسعود اقض بالکتاب والسنّة اذا وجدت فیهما الحکم، فان لم تجد فیهما اجتهد رأیك. (رواہ مسلم)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ اگر کتاب وسنت میں تمھیں حکم مل جائے تو ان دونوں کے ذریعہ ہی فیصلہ کرو، اور اگر ان دونوں میں کوئی حکم نہ ملے تو اجتہاد کے ذریعہ اپنی رائے قائم کرو۔

اجتہاد کا معنی ومفہوم | مذکورہ احادیث کی روشنی میں اجتہاد کا معنی ومفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہر اس مسئلہ میں جس میں قرآن اور حدیث میں کوئی حکم یا اشارہ موجود نہ ہو تو مجتہد کو چاہیے کہ وہ کسی حتمی نتیجہ تک پہونچنے کے لیے حتی الامکان کوشش وکاوش کرے، اور کوئی بھی رائے قائم کرنے میں اس بات کو ہمیشہ ملحوظ رکھے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کی منشا ومراد کیا ہے۔

صحیح اور غلط رائے کا اعتبار | اجتہاد کرنے میں مجتہد کی رائے درست بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی، جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ کل مجتهد مصیب والحق عند اللہ وحدہ، (ہر مجتہد (اپنی دانست میں) درست رائے قائم کرتا ہے، مگر حق بات کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے، یعنی مجتہد نادانستہ طور پر غلطی بھی ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لعمرو بن العاص اقض بین هذین قال اقضی وانت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ ان دونوں میں فیصلہ کرو، انھوں نے کہا کہ آپ کی موجودگی میں

حاضر ؟ قال نعم ! على ماذا
اقضى ؟ قال على انك اذا اجتهدت
فاصبت فلك عشر حسنات
وان اخطأت فلك حسنة ۔

میں فیصلہ کروں ؟ آپ (صلی اللہ علیہ
وسلم) نے فرمایا کہ ہاں ، کس بنیاد پر فیصلہ
کروں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ اس بنیاد پر کہ اگر اجتہاد کرنے میں تم نے
درست رائے قائم کی تو تمھیں دس نیکیاں ملیں گی
اور اگر غلطی کی تو ایک نیکی ۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کسی مسئلہ میں درست بھی فیصلہ کر سکتا ہے، اور کسی مسئلہ میں اس کی رائے غلط
ہو سکتی ہے ، درست فیصلہ کرنے میں اسے دس نیکیاں ملیں گی اور غلطی کرنے میں صرف ایک ہی نیکی ملے گی'
بہر دو صورت صحیح فیصلہ کرنے کے لیے وہ جد و جہد کوشش کرے گا اور اس کے بعد جو بھی رائے قائم کرے گا'
اعتبار کیا جائے گا ، مگر اجتہاد کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ، بہت سے لوگ علمائے دین کی شکل و صورت
کر لیتے ہیں، انھی جیسا لباس پہنتے ہیں (جسے عام طور سے لوگ علمائے دین کا لباس سمجھتے ہیں) مگر ان کے
صلاحیت یا لیاقت نہیں ہوتی کہ وہ صحیح طریقہ سے قرآن و حدیث کے نصوص کو سمجھ سکیں ، پھر بھلا وہ لوگ
مسائل کو سمجھنے میں جن میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ خاموش ہیں کیسے خدا اور اس کے رسول کی خوشنودی
سکتے ہیں، یا مراد و منشا کی تہ تک پہونچ سکتے ہیں، تاہم وہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے ، اور جب
متوجہ اور متنبہ کیا جاتا ہے تو زبان درازی کرتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ ہم اجتہاد کرتے ہیں ، ہمیں اللہ بدلہ
گا ، ان ہی میں سے بہت سے لوگ اپنی نام نہاد مقبولیت سے ایسے مواقف پر اپنے مؤیدین کو دھوکا
کرنا جائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں، جب کہ اللہ تعالی ایسے لوگوں سے بخوبی واقف ہے (واللہ من خلفہم محیط)
لیے دینی مسائل میں ایسے لوگوں کی رائے اور انھیں حکم بنانے سے پرہیز کرنا چاہیے ، اور اس بات پر توجہ
چاہیے کہ جو لوگ تجدید و اجتہاد کا نعرہ لگا رہے ہیں کیا ان کے اندر اسلامی شریعت کے اسرار و رموز اور

جملہ اصول و قواعد کو سمجھنے نیز ہر مقام پر انھیں ملحوظ رکھنے کی صلاحیت ہے۔

مجتہد کی صلاحیت اور اس کے اوصاف

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ائمہ حضرات بھی اجتہاد کرتے تھے، ان سے ہم یہ عرض کریں گے کہ بیشک ائمہ حضرات اجتہاد کرتے تھے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کے آنے کے بعد ابتدائی صدیوں میں شرعی علوم کے درس و تدریس کا جو منہج یا نصاب تھا وہ اس شخص کے لیے اجتہاد کے درجہ پر تھا جس کے اندر اس نصاب کو سمجھنے کیلئے خاص قسم کی صلاحیت، لیاقت اور قدرت موجود تھی، باایں ہمہ جو لوگ اس نصاب تعلیم پر عمل پیرا ہوتے تھے ان کے اندر روحانیت اور پرہیزگاری بھی بدرجۂ اتم موجود تھی، مجتہد کے اندر ایسی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ اس کے ذریعہ مجہول احکام کا استنباط کر سکے، وہ استنتاج کرنے میں ان وسائل کو قطعاً نظر انداز نہ کرے جن کے ذریعہ ان احکام کے معنیٰ و مفہوم تک اس کا پہونچنا ممکن ہے، اسے ان احکام سے متعلقہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا بخوبی مطالعہ کرنا ہوگا، انھیں سمجھنے اور ان سے استنباط کرنے کے جو طریقے ہیں ان کا مطالعہ کرنا ہوگا، اسے علم ہونا چاہیے کہ کس طرح مختلف قسم کی دلیلوں میں تطبیق دی جاتی ہے اور ترجیحی صورتوں پر نظر رکھی جاتی ہے؟ اسے خبر ہونی چاہیے کہ اسلاف نے اپنے اجتہاد اور استنباط میں کس قسم کا اسلوب اختیار کیا تھا؟ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اسلامی شریعت کے مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مختلف قسم کے احکام میں ربط و تنسیق کے کیا طریقے ہیں، استقراء کسے کہتے ہیں، ؟ کلیات و جزئیات کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ کلیات و جزئیات کے استیعاب پر ہی احکام کے استنباط کا دار و مدار ہوتا ہے، اسے جاننا چاہیے کہ لفظ کا استعمال لغوی اور شرعی اعتبار سے کیا ہے؟ احکام پر نصوص کی دلالت کا معنیٰ و مفہوم کیا ہے؟ آیات اور احادیث میں کب، کیسے اور کسے مخاطب بنایا گیا ہے، اور ان کا شان نزول کیا ہے؟ غرضکہ مجتہد کو حدیث اور اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے جملہ مذاہب سے باخبر ہونا چاہیے، نیز ان کے دلائل پر کلی طور پر نظر بھی ہونی چاہیے، جن پر ان مذاہب کے فقہاء، محدثین اور مجتہدین نے استنباط

کرنے میں اعتماد کیا ہے، وغیرہ، وغیرہ..... یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگ تصور کرتے ہیں، بہرحال تجدید واجتہاد کا معاملہ دشکل کام جن کے بس سے باہر ہے انھیں خاموش رہنا چاہیے۔

تجدید کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ ان کا دین سے مربوط رہنا ہی ان کی پس ماندگی اور تخلف کا سبب ہے، اور اسی بنا پر انھوں نے اسلامی شریعت کو ترک کرکے عصر حاضر کے وضعی قوانین کو اپنا مذہب بنالیا ہے، ان میں کچھ لوگوں نے ترقی وآزادی کے نام پر دینی قید وبند سے راہ فرار اختیار کرلی ہے اور حلال وحرام کے درمیان کوئی تمیز نہیں رکھ چھوڑی ہے، ان کو مخاطب بناکر ہم یہ عرض کریں گے۔

اسلامی عقیدہ میں ایسی کوئی بات نہیں جس کا عقل سے تعارض ہو بلکہ اس کے برعکس دیگر ادیان وعقائد میں عقل کی راہ رسی مشکل ہی سے نظر آتی ہے، اسلام میں فکر ونظر کی جو دعوت دی گئی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں عقل وعلم کی حیثیت واہمیت سے انکار نہیں، اسلامی فقہ یا اسلامی شریعت اسلاف وفقہا کے موجودہ مذاہب کا ہی نام نہیں، بلکہ اسلام کے فقہی علوم کو ماضی میں جن بنیادوں پر ترقی حاصل تھی وہ آج بھی انھی قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے۔

جو لوگ جہالت کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی فقہ عصر ماضی میں امت اسلامیہ کے لیے مفید تھی مگر اب وقت حاضر میں ناقص ونامکمل اور انسانی ضرورت کی تکمیل سے قاصر نظر آتی ہے، اب امت اسلامیہ کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کی مثال ان تاریخی امور کی مانند ہے جن کا ایک دور ہوتا ہے جو گذر جاتا ہے، اسی طرح اسلامی فقہ وشریعت کا بھی ایک دور تھا جب فقہاء نے اس وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے وضع کیا تھا، اب اس کی وہ وضع اور ساخت قدیم ہوگئی ہے، صدیاں گذر چکی ہیں، مگر اسلامی فقہ اپنے اسی قدیم ہیکل وپیرہن میں نظر آتی ہے جبکہ زمانہ بدل گیا ہے، اور لوگوں کی ضروریات میں غیر معمولی تغیر آگیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اس قدیم فقہی نصاب کو آج بھی اس دور میں نافذ کریں جس کی تنفیذ چودہ صدی قبل کی گئی تھی، جبکہ قانون کی شان تو ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں زمانہ کے تغیرات اور انسانی ضروریات کو

پیش نظر رکھتے ہوئے ترمیمات اور تبدیلیاں کی جا سکیں، تاکہ اسے جامع اور ترقی یافتہ بنایا جا سکے۔

جن حضرات کا بھی یہ خیال ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ فقہاء و مجتہدین نے اپنے مذاہب کی بنا جن احکام الٰہیہ یا احادیث نبویہ پر رکھی ہے، ان کا دائرہ محدود نہیں بلکہ وہ شرعی حدود سے بے حد وسیع و عریض ہیں، جو شخص بھی فقہ و اصول فقہ سے متعلقہ مؤلفات کا مطالعہ کرے گا، نیز جو بھی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی فقہی تصنیفات و تحقیقات کا ایک دوسرے سے موازنہ و مقابلہ کرے گا اس کی نظر سے ہرگز یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ علمائے اسلام اور ائمہ کرام نے فقہ و اصول فقہ کی تالیف اور مسائل کی تحقیق میں کتنی محنت اور کیسی کاوش کی ہے، اور کب اور کیسے فقہ اسلامی کی تکوین و تشکیل اور اس کی نشوونما ہوئی، نیز کیسے کیسے مختلف ادوار میں اس میں ترقی دیکھنے میں آئی، ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب سے اسلامی ممالک میں وضعی قوانین کی تنفیذ ہوئی ہے اس وقت سے اسلامی فقہ اور اسلامی شریعت کی تنفیذ حکومتی سطح پر معطل نظر آتی ہے، مگر یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلامی فقہ پر وضعی قوانین کی تنفیذ سے جمود چھا گیا، کیونکہ اسلامی فقہ اور شرعی احکام کی بنیاد قرآن اور سنت پر ہے جو تا ابد قائم و دائم رہیں گے اور ان پر کسی بھی دور میں جمود طاری نہیں ہو سکتا۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر مسئلہ میں احکام الٰہی کا پابند اور شرعی احکام پر کاربند رہے، فقہ اسلامی کے کچھ احکام ایسے ہیں جو ثابت اور دائم ہیں، ان میں کہیں بھی اور کسی دور میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور کچھ ایسے ہیں جو تغیر پذیر ہیں، جن میں ہر دور کی انسانی ضروریات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، اور ان کے دائرے کی توسیع و ترقی ممکن ہے، اسلامی شریعت قرآن و حدیث کے جن نصوص اور محکم کلیات پر مبنی ہے وہ کلیات ان سبھی انسانی ضروریات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں جو کسی بھی جگہ اور کسی بھی دور میں پیش آ سکتی ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ اسلامی فقہ پر جمود طاری ہو گیا ہے، یہ دعویٰ درست نہیں، بلکہ باطل ہے۔

سلامی شریعت میں ہر دور میں رونما ہونے والی ضروریات کی رعایت پہلے سے ہی موجود ہے، جن کے ل کے لیے فقہ اسلامی کو عصر حاضر کے قوانین وضعیہ پر کاربند قانون دان کی عقلی پیچیدگیوں اور حیلہ جوئیوں جھاؤں ضرورت نہیں، اسلامی شریعت کی بنیاد جن مستحکم کلیات پر ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ کوئی اپنی خواہشات سانی کی پیروی میں گمراہ نہ ہو جائے، کیونکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جنھوں نے بھی قرآن فہمی کے سلسلہ میں عقلی ڑے دوڑائے ہیں وہ صحیح راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔

لبہ آیات کے
ئی فوائد

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں جتنے بھی فرقے اور مذاہب خیال معرض وجود میں آئے ہیں ان سب کا منبع ومصدر قرآن وحدیث ہے، پھر بھی جو مختلف افکار ونظریات لجھنے میں آتے ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید میں محکم اور متشابہ دو طرح کی آیات موجود ہیں، جو فتنہ پرور اصر ہیں متشابہ آیات کا معنی ومفہوم اپنی خواہش کے مطابق ڈھال لیتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

هُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ	اس نے تم پر کتاب نازل کی جس کے ایک
مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ	حصہ (میں) وہ آیتیں ہیں جو اشتباہ مراد
الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ	سے محفوظ ہیں، وہی آیتیں اس کتاب کی
فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ	بنیاد ہیں، اور دوسرے حصہ میں وہ آیتیں
فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ	ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، اس لیے جن لوگوں کے
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ	دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی غرض سے اس کے
تَأْوِيلِهِ، وَمَا يَعْلَمُ	اسی حصہ کی پیروی کرتے ہیں جو مشتبہ المراد
تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ۔	آیتوں پر مشتمل ہے، اور ان کا غلط مفہوم
	ڈھونڈتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب
(آل عمران : ۷)	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مثال کے طور پر نصاریٰ اسلام کے ابتدائی دور کے مسلمانوں کے ساتھ مسائل لاہوت اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی حقیقت و ماہیت سے متعلقہ موضوعات پر جدل و تکرار کیا کرتے تھے، اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صفات کے بارے میں قرآن مجید میں جو آیت کریمہ موجود ہے اسے اپنی خواہش کے مطابق معنیٰ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتے تھے، جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ :

يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِيْ	اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے مت نکلو
دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ	اور اللہ تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو
إِلَّا الْحَقَّ . إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى	مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ بھی نہیں، البتہ
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللهِ وَ	اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ایک
كَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا إِلَىٰ	کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہونچایا
مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوْا	تھا، اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں،
بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا	اس لیے اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان
ثَلٰثَةٌ ۔ (النساء : ۱۷۰)	لاؤ، اور یوں مت کہو کہ تین ہیں۔

غرض کہ اہل سنت والجماعۃ، معتزلہ، حشویہ اور دیگر متکلمین کے جتنے بھی مذاہب کلامیہ معرض وجود میں آئے، ان سب کا مصدر قرآنی آیات ہی ہیں، ان میں کا ہر فرقہ قرآنی آیات کو اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں سمجھنے اور انھیں دلائل کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا، اور آیات ہی کی تاویل میں مختلف مذاہب اور فرقوں کے مابین نظریاتی اختلافات رونما ہوئے جو آج بھی تفسیر کی کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ[1] نے قدریہ، جبریہ اور شبہ جیسے مختلف الخیال مذاہب کے اقوال و دلائل کو

---

[1] فخر الدین محمد بن عمر التیمی البکری (المتوفی ۶۰۶ھ / ۱۲۱۰ء) اپنے زمانہ کے مشہور امام اور مفسر قرآن تھے، ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور ہراۃ میں انتقال ہوا تھا، شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، انھیں معقولات

نقل کیا ہے جو قرآنی نصوص و آیات سے ماخوذ ہیں، انھوں نے ان فرقوں کے رد میں یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جو متشابہ آیات ہیں ان کے بھی بہت سے فوائد ہیں، انھوں نے اس سلسلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سبھی آیات محکم کلیات کی شکل میں ہوتیں تو وہ صرف کسی ایک ہی فرقہ یا مذہب کے افکار و نظریات سے مطابقت رکھتیں، اور اس کے علاوہ سبھی فرقے اور مذاہب جو معرض وجود میں آئے ہیں باطل اور لغو قرار دے دیے جاتے جسے دیگر مذاہب یا فرقے کسی حال میں بھی تسلیم نہ کرتے، اس لیے محکم و متشابہ دونوں طرح کی آیات کا فائدہ یہ ہوا کہ جو فرقے اپنے مذاہب کو قرآنی آیات سے مستحکم اور مدلل بنانے کے خواہاں تھے، انھوں نے قرآنی نصوص و آیات میں غور و فکر کر کے اپنے مذہب کے مطابق آیات تلاش کرلیں۔[1]

اس سے قطع نظر ہر زبان کی وضع یا ساخت اور اس کی طبیعت محسوسات اور مادی اشیاء و واقعات کے مطابق ہوتی ہے، وہ باطنی اسرار و رموز کے حقایق کی ترجمانی سے قاصر رہتی ہے، باطنی اور روحانی حقائق کی تعبیر زبان اور اہل زبان کے لیے مجاز، استعارہ اور تخییل کے بغیر مشکل بلکہ ناممکن ہے، کیونکہ یہ انسانی جہان رنگ و بو محسوسات و مادیات پر مشتمل اور محدود ہے، اور اس عالم محدود کی زبان محدود ہے پھر اللہ تعالیٰ کے لامحدود و لامتناہی منشأ و مراد کی تعبیر بغیر مجاز، استعارہ اور تخییل کے کیسے ممکن ہے ہی سب وجوہ کے بموجب قرآن فہمی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگیا، بلکہ ایک مستقل شعبۂ تفسیر بن گیا اور آج اس شعبہ میں مختلف مذاہب کی مختلف کتابیں دارسین اور متخصصین تفسیر کے سامنے ہیں۔

علت و معلول | جو لوگ اپنی عقل پر ناز کرتے ہیں انھیں فقہی اصول و قواعد میں علت و معلول کی حیثیت کا بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۵) --- اور معقولات پر کافی دسترس تھی، عربی اور فارسی میں ان کی درجنوں کتابیں ہیں جنھیں فضائل الصحابہ، المحصول فی الفقہ، الاربعین فی اصول الدین، ابطال القیاس، الہندسہ، الملل والنحل، لب الاشارات، الطب الکبیر اور مفاتیح الغیب جو التفسیر الکبیر کے نام سے مشہور ہے قابل ذکر ہیں، انھوں نے عربی اور فارسی میں اشعار بھی کہے ہیں۔ [1] التفسیر الکبیر ص ۲/۷ - ۱۸۴ -

علم ہونا چاہیے ، اسلامی شریعت میں کسی پر آنکھ بند کر کے حد کی تنفیذ کا حکم صادر نہیں ہوتا ، بلکہ ہر چیز کی کہ
نہ کوئی علت ہوتی ہے ، جب بھی کوئی حکم صادر ہوگا تو یہ دیکھا جائے گا کہ علت پائی جاتی ہے یا نہیں ، ا
علت موجود ہے تو حکم کی تنفیذ ہوگی ، اگر فی الواقع کوئی علت موجود نہیں تو صرف شکوک و شبہات
بنا پر حکم یا حد کی تنفیذ ہرگز نہیں ہوگی ۔

جو لوگ بھی اسلامی شریعت سے برگشتہ ہیں انھیں یہ بخوبی جاننا چاہیے کہ اسلامی شریعت کی
کا مقصد کیا ہے ، اسلامی شریعت کا عظیم مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں اصلاح کی جائے اور اسے شر و فسـ
سے دور رکھا جائے ، اور خدا تعالیٰ نے اسلامی شریعت کا جنھیں مکلف بنایا ہے انھیں اس بات پر عقیا
رکھنا چاہیے کہ شریعت الٰہی کی تنفیذ ہر مقام پر ، ہر زمانے میں ، ہر فرد بشر ، ہر جماعت ، ہر معاشرہ اور ہر ملک
کے لیے مفید ہے اور سود مند رہے گی ،

اسلامی شریعت کی جو کلیات ہیں وہ زمانہ کے حوادث اور انسانی ضروریات کے دوش بدو
چل رہی ہیں ، اور صرف یہی نہیں کہ ان کلیات سے امت اسلامیہ کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے بلکہ
ان کلیات میں غیر مسلم قوموں کے حقوق و ضروریات کی مراعات اور ان کی دادرسی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے ، اسلا
کے دشمن عناصر کو اس بات سے بخوبی واقف ہونا چاہیے کہ اسلام ایک ہمہ گیر مذہب اور عالمگیر نظام حیات ہے
اور جن کو اسلامی شریعت کے متعینہ اصول و ضوابط کا مکلف اور مخاطب بنایا گیا ہے ، ان میں کسی فرد یا جما
کی کوئی تخصیص نہیں ، بلکہ تکلیف و تخاطب عام ہے ، اور ہر فرد بشر اس کا مکلف و مخاطب ہے ۔

جن حضرات کی عقل و نگاہ اہل مغرب کی موجودہ تہذیب و تمدن پر ہے اور جو تجدید و اجتہاد
نعرہ لگا رہے ہیں ، ان سے ہم یہ کہیں گے کہ اجتہاد صرف تجدید و تطور اور ترمیم و تبدیلی ہی کا نام نہیں
بلکہ اجتہاد اس راہ حق تک پہونچنے کے لیے کی جانے والی کوشش و کاوش کا نام ہے جس پر رسول خد
صلی اللہ علیہ وسلم کاربند تھے ، مجتہد کو ہر اس مسئلہ میں جس میں قرآن و حدیث خاموش ہیں سب سے پہلے

یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اس وقت تشریف فرما ہوتے تو اس مسئلہ میں کون سا موقف اختیار کرتے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم عصر حاضر کے تہذیب وتمدن سے پیچھے رہ گئے اور جدید ترین سائنس اور اس کی ترقی کے وسائل کو اختیار کرنے میں ہم نے غیر معمولی تاخیر کردی، ان لوگوں سے ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر مسلمانوں نے علوم وفنون کے مختلف میدانوں میں آگے بڑھنے میں سستی اور تساہل برتا تو اس میں اسلام یا قرآن وحدیث کا کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ مسلمانوں کی اپنی سستی وتساہل اور علمی وعملی زندگی سے پہلوتہی کا نتیجہ ہے، اسلام تو چاہتا ہے کہ مسلمان اس جہان میں سب سے طاقتور اور قوی ریاست کے اہل بن جائیں اگر مسلمان خود ہی اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو ضعیف بنا دیں گے تو اسلام کی نظر میں وہ قصور وار کہلائیں گے، کیونکہ مسلمان احکام الٰہی کا پابند اور ان کی تبلیغ کا مکلف ہے، اور دعوت وتبلیغ کا کام اسی وقت بخوبی انجام پذیر ہو سکتا ہے جب مسلمان اپنی توانائی اور اپنی علمی وعملی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

جب آپ انفس وآفاق میں خدا تعالیٰ کی قدرت وعظمت کی نشانیوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بھی اسلامی دعوت وتبلیغ سے متعلقہ موضوعات ہیں، خدا تعالیٰ کی نشانیوں اور تسخیر فطرت سے متعلقہ آیات کو بغیر فکر وعمل کے نہیں سمجھا جا سکتا، اس کے لیے فطرت اور نظام فطرت کو سمجھنا ہوگا، اور اس کا انکشاف کرنا ہوگا، کیونکہ فطری عناصر کی بحث وجستجو کائنات میں قدرت الٰہی کی بحث وجستجو کے مترادف ہے، اور نظام فطرت کو سمجھنے کا مطلب کائنات میں نظام الٰہی کا فہم وادراک کہلائے گا .....

اس طرح جب ہم مادی علوم وسائنس کے دوش بدوش چل کر اگر جدید ترین چیزوں کا انکشاف کریں گے، اور مسلمانوں کی نت نئی چیزوں کی اپنی ایجادات ہوں گی، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ہم نے یورپی تہذیب وتمدن کا نقل یا تقلید کی ہے، یا یورپی تہذیب وتمدن اختیار کر لیا ہے، کیونکہ کیمیا کا جہاں کہیں بھی وجود ہوگا وہاں پر وہ کیمیا ہی کہلائے گی، یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ روسی کیمیا ہے اور وہ فرانسیسی کیمیا، ہاں البتہ

کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی پیروی کی ہے، جنھوں نے غور و فکر اور کاوش کے ذریعہ تجربہ اور ایجاد کی ابتدا کی تھی، کیونکہ اہل مغرب خود اس کا اعتراف کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے زریں عہد میں اپنے علمی و عملی کارناموں اور ایجادات سے انسانیت کو بے حساب فائدہ پہونچایا ہے، اس لیے اگر اس دور میں مسلمان فطری اور مادی میدانوں میں انسانی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو اس میں کوئی عیب کی بات نہیں، بلکہ یہ تو ان کا ذاتی حق ہے۔

مگر اخیر میں یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلام سائنس کی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے، تاہم اسے قوم کی ترقی و تقدم اور اس کی پسماندگی کا معیار و مقیاس قرار نہیں دیتا کیونکہ اسلام میں بلندی و پستی اور ترقی و پسماندگی کا معیار اخلاق اور تقویٰ ہے۔

پاک شاہین
کنٹینرز سروس لمیٹڈ
پلاٹ نمبر ۲۴/۲۷ نمبر پوئنٹ کیماڑی، کراچی
الحمد للہ
پاکستان میں یہ پہلا ٹرمینل جو نجی کاروباری شعبے میں قائم ہوا ہے۔
ملک کی درآمدات و برآمدات نہایت عمدہ کارکردگی کے ساتھ بذریعہ کنٹینرز حمل و نقل ہوتے ہیں، جہاز راں کمپنیاں اور تاجر ہماری خدمات حاصل کریں،
کسٹم اور کراچی پورٹ ٹرسٹ کی تمام سہولتیں حاصل ہیں۔
تار کا پتہ: شاہین کراچی
ٹیلیکس: ۲۷۱۹
فون: ۲۷۱۹۵۳ ۲۷۱۹۴۰
۲۷۱۹۴۲ ۲۷۱۳۵۴